باب دوم

الحدیث

احادیث

حدیث (۱۱): ''اَکْمَلُ المؤمِنِینَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا'' (سنن ابوداؤد۔ حدیث ۴۶۸۲)

ترجمہ:۔ ''تم میں مکمل ایمان والے وہ اشخاص ہیں جن کے اخلاق دوسروں سے اچھے ہوں''

تشریح:۔ انسان کی شخصیت کی اصل تصویر ایک آئینہ بھی اتنی صاف پیش نہیں کرتا جتنا اس کا اخلاق۔ جب ایک انسان دوسرے سے معاملات کے دوران حُسنِ خُلق سے پیش آتا ہے تو اس کی شخصیت کا ظاہر اور باطن کُھل کر سامنے آجاتا ہے۔ حُسن خلق ہی ایک ایسا عمل ہے جس سے آپس کی نفرتوں کو نہ صرف محبتوں میں بدلا جاسکتا ہے بلکہ دشمنوں کے دل میں بھی گھر کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے ''برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی شخص جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست''۔ حضور اکرم ﷺ نے دعوتِ حق کے دوران عام طور پر تمام عمر اور مکی زندگی میں خاص طور پر صرف حُسنِ خلق ہی کے ہتھیار سے اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو زیر کیا۔ ویسے تو حُسنِ خُلق کو نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کو اپنانا چاہئے۔ مگر مسلمانوں کے لئے تو حضور اکرم ﷺ نے حسنِ خلق کو ایمان کی تکمیل کا پیمانہ قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''قیامت کے دن میزان میں حسنِ خلق سے وزنی کوئی عمل نہ ہوگا''۔ حسنِ اخلاق دراصل روزمرہ زندگی میں اللہ، اس کے رسول ﷺ اپنے نفس اور مخلوقِ خدا کے ساتھ ایک مسلمان کے طرزِ عمل اور رویے کا نام ہے۔ اگر یہ طرزِ عمل اور رویہ اچھا ہے اور شریعت کے اصولوں کے مطابق ہے تو اسے حسنِ اخلاق کہا جائیگا اور اگر یہ طرزِ عمل اور رویہ اچھا نہیں تو اس کو بُرا اخلاق کہا جائیگا۔

حدیث (۱۲): اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ. قَالَ ﷺ اَنْفَعُ النَّاسِ لِلنَّاسِ. (الطبرانی۔۱۳۴۶۸)

ترجمہ:۔ ''بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کیلئے زیادہ نفع بخش ہو''

تشریح:۔ اس حدیث کی روایت بالمعنی کے طور پر یہ الفاظ مشہور ہیں کہ:

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَنْفَعُ النَّاسَ

ترجمہ:۔ ''لوگوں میں بہترین وہ ہیں جو دوسرے لوگوں کو نفع پہنچائیں''

اس حدیث میں محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ نے تمام انسانوں کیساتھ حُسنِ سلوک کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ انسانوں میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچائے۔ انسانوں میں مسلمان اور کافر و مشرک سب شامل ہیں اور نفع میں بھی ہر طرح کا جائز فائدہ شامل ہے۔ اسلام تمام انسانوں میں مساوات کا درس دیتا ہے۔ ہر طرح کی

اونچ نیچ کو ختم کر کے ایک انسانی برادری قائم کرنا چاہتا ہے۔ نبی ﷺ کا یہ ارشاد بھی عام ہے اور آپ کا مدعا یہ ہے کہ تمام انسانوں کی خیرخواہی اور خدمت کی جائے اور انہیں نفع پہنچایا جائے۔ اس کے برعکس انسانوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ انہیں تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ ان کی جان و مال و آبرو پر ہاتھ نہ ڈالا جائے۔ ایک مسلمان کی نظر میں لوگوں کے لئے سب سے بڑی بھلائی اور نفع والی چیز یہ ہے کہ وہ بھی ہدایت کے راستے پر ہوں۔ اسی لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ تبلیغ کے ذریعے دوسروں کو بھی دین کی دعوت دیتا رہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرے۔ سب انسانوں کو نیکی کی ترغیب دلاتا رہے اور انہیں برائی سے منع کرتا رہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا" (لوگوں سے اچھی بات کہو۔ سورۃ البقرۃ)۔ یعنی تمام لوگوں سے چاہے وہ مسلمان ہوں یا کافر ایسی بات کہو جو اچھی ہو، سچی ہو، حق ہو، مفید ہو اور پھر بات کرنے کا انداز اور طریقہ بھی اچھا ہو اور ظاہر ہے کہ اچھی بات فائدہ پہنچاتی ہے۔ جس طرح آدمی اپنی زبان اور عمل سے دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اسی طرح مال سے بھی پہنچا سکتا ہے۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ مسکین، یتیم، قیدی، غلام، بیوہ، پڑوسی کی مدد کرے اور اس میں مسلمان یا کافر کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

اسلام میں حقوق کی دو قسمیں ہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کمی بیشی کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن چاہے تو معاف کر دے گا لیکن بندوں کے حقوق معاف نہیں کریگا۔ حقوق العباد میں کافر اور مسلمان سب کے حقوق شامل ہیں۔ مختصر یہ کہ اسلام میں حقوق العباد کو عبادات سے کم اہمیت نہیں دی گئی۔

حدیث (۱۳): "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا" (سنن ترمذی۔ حدیث ۱۹۱۹)

ترجمہ:۔ "وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت و تکریم نہ کرے"

تشریح:۔ اس حدیثِ مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ نے دو باتوں کی تعلیم دی ہے۔

۱۔ بچوں پر رحم کرنا ۲۔ بڑوں کا احترام کرنا

۱۔ بچوں پر رحم کرنا

بچے جسم اور عقل دونوں میں ناپختہ ہوتے ہیں اور نشو و نما پانے کے مرحلے میں ہوتے ہیں، انہیں بڑوں کے پیار، شفقت اور رحم کی ضرورت ہوتی ہے۔ بڑے ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں تو ان کی جسمانی و ذہنی تربیت بہتر طور پر ہو سکے گی اور وہ کل کو مثبت سوچ رکھنے والے اور جسمانی طور پر تندرست و توانا انسان بن سکیں گے اگر وہ بچوں کے ساتھ بے رحمی سے پیش آئیں گے تو وہ ردِ عمل میں گستاخ اور سرکش بنیں گے۔ یا ان کی شخصیت بالکل دب کے رہ جائے گی۔ بے رحمانہ سلوک انہیں جسمانی اور ذہنی طور پر بیمار بنا دے گا وہ اچھے انسان نہیں بن سکیں گے اور اس طرح نسل انسانی کی بقاء ہی خطرے میں پڑ جائے گی۔ بچے سیکھنے کے عمل سے گزر رہے ہوتے ہیں ان سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ جن کی اصلاح مشفقانہ طریقے سے کرنی چاہئے۔

۲۔ بڑوں کا احترام کرنا

اپنے سے بڑوں کا ادب و احترام کرنا چاہئے' وہ عمر' تجربے اور دانائی میں بڑے ہوتے ہیں۔ ان سے بہت کچھ سیکھا اور لیا جاتا ہے۔ ہر نسلِ انسانی اپنی آئندہ نسل کے لئے ماں باپ اور استاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ قربانیاں دے کر اس کی جسمانی و ذہنی پرورش اور تربیت کرتی ہے' اس لئے اپنے سے عمر میں بڑوں کا احترام لازم ہے۔

رسول کریم ﷺ کی تنبیہہ

رسول کریم ﷺ نے اس حدیث میں مسلمانوں کو تنبیہہ فرمائی ہے کہ جو ہمارے (یعنی اُمّت کے) چھوٹوں پر رحم نہیں کرے گا اور ہمارے (یعنی امت کے) بڑوں کا احترام نہیں کرے گا' وہ ہم میں سے نہیں (یعنی امت مسلمہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں) حضور ﷺ نے ان دو باتوں کی تعلیم کے لئے اتنے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اس سے ان دو باتوں کی ضرورت و اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حدیث (۱۴): " لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ " (سنن ابوداؤد۔ حدیث ۳۵۸۰)

ترجمہ:۔ "رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے"

تشریح:۔ اس روایت میں ایسی خطرناک ناسور کی طرف نشاندہی کر کے اُمتِ مسلمہ کو اس سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے جو کسی کو لگ جائے تو وہ معاشرہ اور افراد یا ادارے وبالِ جان بن جاتے ہیں۔ عدل و انصاف کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ حق و باطل کی تمیز ختم ہو جاتی ہے' مستحق کے بجائے اس کا حق کوئی غیر حقدار غصب کرتا ہے۔ صلہ رحمی' رحم دلی' ہمدردی اور ایثار کے جذبات دلوں سے نکل جاتے ہیں۔ حرص' لالچ' مفاد پرستی' خودغرضی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ جس کے باعث باہمی رنجشیں' نفرتیں اور عداوتیں بھڑک اٹھتی ہیں۔ یہ رشوت ایسی لعنت ہے کہ یہ اللہ کے غضب کو دعوت دیتی ہے۔ زر پرستی کی خواہش اپنا جوبن دکھاتی ہے۔ اس عمل میں شریک فرد کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ ایسا شخص اللہ کی رحمت سے دور رہتا ہے۔ اللہ کے غضب کا مستحق اور گرفتارِ لعنت ہو جاتا ہے۔ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں معاشرے کا ناسور اور اللہ کے بندوں کے دشمن بن جاتے ہیں۔ رشوت کے ذریعے جن قوموں نے اپنی اولاد کی پرورش کی ہے وہ نسل عبرت کا نشان بن کر مغلوب و مقہور ہو جاتی ہے۔ ان کی ترقی کا عمل رُک جاتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے کا سسٹم اور نظام فیل ہو جاتا ہے اور بالآخر کشکول لیکر غیروں کے دَر کے بھکاری بن جاتے ہیں اور ملک' وطن اور قوم و ملت کے خرید و فروخت کے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ قانون اور نظام نام کی کوئی چیز ان کے پاس باقی نہیں رہتی۔ کسی کی نصیحت اور خیرخواہی کی پکار پر کان نہیں دھرتے اور اپنے آپ کو اپنی اولاد کو اپنے وطن و ملت کو ذلت و پستی کے کنارے پہنچا کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور دونوں جہاں کی محرومیاں حصے میں آجاتی ہیں۔ اس لئے اس گھناؤنے عمل سے رسولِ رحمت ﷺ نے سختی سے روکا ہے۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے "راشی اور مرتشی یعنی رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی ہیں"۔

حدیث (۱۵): عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: "اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی"
(سنن ابوداؤد۔حدیث ۱۶۴۵)

ترجمہ:۔ ''عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔'' (یعنی صدقہ کرنے والا صدقہ وخیرات لینے والے سے بہتر ہے)

تشریح:۔ یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ میں ابوداؤد نے نقل کی ہے۔جس سے ظاہر یہی ہے کہ یدالعلیا سے مراد دینے والا اور یدالسفلی سے مراد لینے والا ہاتھ ہے۔

اس حدیث میں صدقہ وخیرات اورلوگوں کی مالی اعانت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ساتھ ساتھ مالدار کے جذبہ حُبِ مال اورحرص کو قابو میں رکھنے کا انتظام بھی ہے، غریب اور نادارلوگوں کے جذبہ محرومیت اور نا اُمیدی کو مٹانے کی ترکیب ہے۔لیکن ان کے جذبہ طمع وحرص پرضرب لگائی گئی ہے کہ اس کارگاہِ حیات میں جہدِ مسلسل اور محنت ومشقت سے ہرکوئی اپنا مقام حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ دوسروں پر بوجھ بننے کی بجائے کسی کا سہارا بننے کی دوڑ دھوپ میں لگارہے۔کیونکہ رزق کے دروازے ہرایک پر کھلے ہیں۔لہٰذا اپنے حصہ کی تلاش کرے۔اس کے علاوہ اس حدیث میں ایک اہم اخلاقی قدر کی طرف توجہ اور ترغیب دلائی ہے کہ مسلمان کو اعلیٰ و برتر اقتدار کا حامل ہونا چاہئے۔ ہر شعبۂ حیات میں آدمی کو برتر مقام کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے اوراس مقام کے حصول کا مقصد خدمتِ خلق اور ربّ کی رضا کا حصول ہونا چاہئے اور اس مقام کی صلاحیت واستعداد بھی لازمی طور پر اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہے تاکہ بہتر خدمت کی جاسکے۔

حدیث (۱۶): ''مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَ لَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کیومٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ''۔ (صحیح البخاری۔حدیث ۱۵۲۱)

ترجمہ:۔ ''جس نے اللہ کے لئے حج کیا اوراس نے کوئی بدکاری نہیں کی اور نہ ہی کسی فسق کا ارتکاب کیا تو وہ حج سے اس طرح واپس آیا جیسا کہ نومولود معصوم بچہ ہوتا ہے''

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ بنی نوعِ انسان کی فطرت' تقاضوں اور کمزوریوں سے بخوبی آگاہ ہے کہ یہ جلد باز انسان کبھی کبھار خیر کے حصول کی لالچ میں اپنی برائی اور نقصاں کا سامان کر جاتا ہے اور گرفتارِ عتاب ہو جاتا ہے۔انسان بالخصوص مسلمان کی ان لغزشوں اور کوتاہیوں کے تدارک کے لئے اللہ نے اپنے فضل سے زندگی میں کئی مواقع کی فراہمی کا انتظام فرمایا ہے کہ اگر انسان اور مسلمان اپنی غلطیوں اور نافرمانیوں کا تدارک کرنا چاہے تو کر سکے۔ یہ مواقع کئی طرح کے ہیں۔لیکن اس حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے خاص عبادت حج کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو بھی خالص رضائے الٰہی کی طلب میں گھر بار چھوڑ کر زیارت بیت اللہ کے لئے نکلتا ہے اور رب کو راضی کرنے کے لئے غیر قانونی اور غیر شرعی کام سے اجتناب کرتے ہوئے حج ادا کرتا ہے اوراس دوران کسی کی دل آزاری' ایذارسانی، بدسلوکی ، گناہ اور بدکاری سے پرہیز کرتا ہے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتے ہوئے ان کے سارے گناہ اس کے اعمال نامے سے خارج کر دیتا ہے۔

حدیث (۱۷): لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بالمعروفِ، يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهُ وَ يُجِيبُهُ اذا دَعَاهُ وَ يُشَمِّتُهُ اِذَا عَطَسَ، وَ يَعُوْدُهُ اِذَا مَرِضَ وَيَتَّبِعُ جَنَازَتَهُ اِذَامَاتَ وَ يُحِبُّ لَهُ مَايُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (سنن ترمذی۔حدیث ۲۷۳۶)

ترجمہ:۔ ''ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے چھ نیکیاں کرنی چاہئیں''۔

۱۔ جب وہ ملے تو اسے سلام کرے۔

۲۔ اور جب وہ اسے دعوت دے تو اسے قبول کرے۔

۳۔ اور جب اسے چھینک آئے تو وہ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ (اللہ تم پر رحم کرے) کہے۔

۴۔ جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔

۵۔ اور جب اس کا انتقال ہو جائے تو وہ نمازِ جنازہ میں شریک ہو اور جنازہ کیساتھ ساتھ چلے''۔

۶۔ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہ اس کے لئے بھی پسند کرے۔

تشریح:۔ اس حدیثِ پاک میں اہم معاشرتی حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔اسلام واقعی اور حقیقی نظامِ حیات کا نام ہے۔ جو انسان کی فطرت کے عین مطابق ہے اور جس میں انسانی جذبات' حقوق اور مزاج کا مکمل خیال رکھا گیا ہے اور زندگی کا کوئی شعبہ یا پہلو تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ ہمارے سماجی اور معاشرتی زندگی میں باہم میل جول کے جو تقاضے ہیں اس حدیث میں اکثر بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مسلمان معاشرے میں ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر چھ حقوق عائد ہوتے ہیں۔جن کا خیال رکھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

پہلا کام ملاقات میں سلام کرنا۔ یہ بہت قیمتی عمل ہے۔کوئی انسان جب دوسرے سے ملتا ہے تو گفتگو کے لئے مقصد کو ظاہر اور بیان کرنے کے لئے اور مدعا بیان کرنے کے لئے کسی نقطے سے آغاز ضروری ہوتا ہے۔تمہید باندھے بغیر کسی چیز کا تقاضا کرنا عجیب لگتا ہے۔اس لئے دینِ اسلام نے اور معلمِ انسانیت ﷺ نے اہم ذمہ داری اور حق کے طور پر یہ بات ہر ایک پر لازم کردی کہ ملاقات کے آغاز میں سلامتی اور خیرخواہی کے جذبات کے اظہار اور جوابی اظہار سے گفتگو کا آغاز بہتر ماحول میں کرے۔ جذبات ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور سوچ کا موقع ہاتھ آتا ہے۔

دوسرا کام' کھانے اور دعوت پر بلانے پر دعوت کو قبول کرنا اہم حقوق میں سے ہے۔ اسلام ایک طرف اگر انفاق اور مہمان نوازی پر زور دیتا ہے تو دوسری طرف ایجابِ دعوت کی تاکید بھی کرتا ہے تاکہ مسلمانوں کے درمیان باہمی محبت و مودّت کے جذبات فروغ پائیں۔

تیسرا کام' چھینکنے پر اس کا مسنون جواب دے۔اس میں یہ بات واضح رہے کہ چھینکنے والا خود الحمدللہ کہے گا۔اس کے جواب میں سننے والا اس کو یرحمک اللہ کہہ کر اس کے لئے رحمتِ الٰہی کی دعا کرے گا۔اس طرح ہمدردی' خیرخواہی اور بھائی چارے کی فضاء برقرار رہ کر سکون و چین کی زندگی گزارنے کا موقع ملے گا۔

چوتھا کام، بیمار بھائی کی تیمارداری اور عیادت بہت بڑے اَجر اور ثواب کا کام ہے۔ دوست وہی ہوتا ہے جو آڑے وقت کام آئے، غم بانٹے اور مشکل حل کرنے میں مدد کرے۔ اسلام مسلمانوں کو آپس میں بھائیوں کی طرح دیکھنا اور رکھنا چاہتا ہے اور یہ رشتہ حالتِ مرض میں عیادت کرنے اور علاج معالجے کی سہولت فراہم کرنے سے مزید قوی و توانا ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ایک مسلمان جب بیمار پڑ جائے تو دوسرا اس کی عیادت ضرور کرے تاکہ یہ رشتہ نہ ٹوٹے۔

پانچواں کام، جب کوئی مسلمان بھائی دنیائے فانی سے رِحلت کر جائے تو باعزت طریقے سے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا اور جنازے کے ساتھ چلنا اور دفنانا مسلمان کی ذمہ داری بنتی ہے۔

چھٹا کام، یہ ایک جامع جملہ ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے اسلامی تعلیمات کے جمال و کمال کا شاندار نمونہ ہے۔ جس سے دنیا کا کوئی مذہب، کوئی نظام اور مفکر قاصر رہا ہے اور تاقیامت قاصر رہے گا۔ وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جو کچھ اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہو وہی چیز اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند کرے۔ جس عزت، دولت، شہرت، بلندی اور خوشحالی کی ذاتی خواہش رکھتا ہے وہی چیز دوسرے بھائی کے لئے بھی پسند کرنا تقاضا اسلام میں سے ہے۔

حدیث (۱۸): "اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ وَ لَوْ بِالْصِّیْنِ" (کنز العمال: ۲۸۶۹۷)

ترجمہ:۔ "علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے"

تشریح:۔ آپ ﷺ سے منسوب اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ علم کے حصول میں سفر کرنا پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے بلکہ دور دراز کا سفر کر کے بھی علم کی روشنی میسر ہو سکتی ہو تو ضرور اسے حاصل کرنا چاہئے کیونکہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس لئے کہ علم اور دانائی مومن ہی کا سرمایہ ہو سکتا ہے اور مومن کو یہ سرمایہ جس طرح اور جہاں سے بھی ممکن ہو حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ علم بغیر مشقت کئے حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا علم کے حصول میں مسافت اور فاصلوں کی دوری حائل نہ ہونے پائے اور کسی نے گھر بیٹھے علمی مہارتیں حاصل نہیں کی ہیں اور نہ ایسا ممکن ہے بلکہ سفر کی تکلیفیں، ہجر کی صعوبتیں اور وطن سے دوری کے مراحل سے گزر کر ہی علم کی روشنی ملا کرتی ہے۔ اس مضمون کی ایک روایت منقول ہے کہ حکمت اور دانائی کی بات مومن کا متاع گم گشتہ ہے۔ یہ جہاں سے بھی ملے تو اس کے حصول کا حقدار مومن ہی کو بننا چاہئے اور مومن کو اپنے اندر اتنی صلاحیت پیدا کرنا چاہئے کہ علم و عرفان معرفت و آگہی کا نور جہاں بھی چمکے مومن کو وہاں پہنچ جانا چاہئے اور سب سے آگے بڑھ کر اُسے حاصل کرنا چاہئے کیونکہ علم ہی کی بدولت معرفتِ نفس اور معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے اور پھر یہی علم مومن کو عمل کرنے پر ابھارتا ہے اور عمل سے زندگی بنتی ہے اور دنیا و آخرت سنور جاتے ہیں۔

حدیث (۱۹): "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِ کُمْ وَ اَمْوٰلِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ". (صحیح مسلم۔۲۵۶۴)

ترجمہ:۔ "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے"۔

تشریح:۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اخلاص اور للّٰہیت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے کہ انسان کے اعمال اور اس کے حرکات و سکنات اور جذبات کے اظہار کا محرک اور باعث اس کے دل میں موجود اخلاص اور لگاؤ ہونا چاہئے اور اسی

چیز کی قدر و اہمیت اللہ کے ہاں بھی ہے۔اللہ کے نزدیک تقرب پانے اور نزدیک ہونے کے لئے حسین وجمیل ہونا اور دولتمند و مالدار ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ چیزیں معیارِ کامرانی و کامیابی ہیں۔ بلکہ اصل چیز اعمال کا محرک ہے کہ آپ کے دل میں کیا جذبات ہیں اور کس جذبے سے آپ یہ عمل ادا کررہے ہیں۔اگر آپ کا جذبہ صحیح ہو' اخلاص اور ہمدردی اور ربّ کی اطاعت مقصود ہوتو آپ کے عمل کا وزن اور قدر ہوگی اور قبولیت بھی حاصل ہوگی۔ اگر خدانخواستہ آپ کے کسی عمل کا محرک خودغرضی' دھوکہ دہی' مفاد کا حصول ہوتو یہ عمل بظاہر کتنا ہی اچھا لگتا ہولیکن اس کی حیثیت اللہ کے نزدیک کچھ بھی نہیں بلکہ یہ ذریعہ وبال ہوگا۔

حدیث (۲۰): ''اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ و سَبْعُوْنَ او بِضْعٌ و سِتُّوْنَ شُعْبَۃً فَاَفْضَلُھَا قَوْلُ لَااِلٰہُ اِلَّا اللّٰہ وَاَدْنَا ھَا اِمَاطَۃُ الاَذٰیٰ عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الاِیْمانِ'' (صحیح مسلم۔۳۵، کتاب الایمان)

ترجمہ:۔ ''ایمان کی ستّر سے کچھ زائد...... یا ساٹھ سے کچھ زائد شاخیں ہیں۔پس ان میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہنا ہے اورسب سے کم تر راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔اور حیا ایمان کا ایک اہم جز ہے''

تشریح:۔اس حدیث میں ایمان اوراس کی ذیلی شاخوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایمان دراصل اس کیفیت اورعقیدت کا نام ہے جس کے زیراثر تمام انسانی اعمال مرتب ہوتے ہیں اوراس کا اثر زندگی کے کم ازکم ساٹھ یا ستر سے زائد شعبوں میں دکھائی دے گا۔

سب سے اعلیٰ وافضل عمل کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار واعلان ہے۔یعنی توحید کا اظہار اور ربّ کائنات کے وحدہٗ لاشریک کا اعتراف اور تمام معبودانِ باطلہ سے برأت و بیزاری کا اعلان سب سے بہترین اور اعلیٰ درجے کا عمل ہے کیونکہ یہی عقیدۂ توحید بنیادفراہم کرتا ہے جب تک سنگِ بنیاد درست' مضبوط اور مستحکم نہ ہوگا۔اس پرعمارت بنانا نقصان دہ ہوگا اور باعث زیاں ہوگا۔

عقیدۂ توحید ہی مسلمان اور کافر میں فرق کو ظاہر کرتا ہے۔اس لئے حدیث کے پہلے حصے میں عقیدۂ توحید کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔اس حدیث کے آخری حصے میں دو چیزوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔کہ راستے سے ضرررساں اشیاء دور کرنا ایمان کا ادنیٰ شعبہ ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ ایمان کا اثر مومن کی زندگی میں ایسا نظر آئے کہ ہرکسی کومحسوس ہوکہ ایمان نے زندگی بدل دی ہے۔راستے سے تکلیف دہ شے دور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے تمام امور میں لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا ناجائز رکاوٹیں دور کرنا' مومن کی شان ہے۔

حدیث کے آخری حصے میں حیاء کوایمان کا حصہ اورشعبہ قرار دیا ہے۔حیاء ایسی صفت ہے جوانسانی اعمال کوکنٹرول اور متوازن بناتی ہے۔حیاء کی صفت جس میں ہوگی اس کاضمیر زندہ ہوگا اورضمیر جب جاگ رہا ہوتو پھرحقوق کی پامالی کا تصور ناممکن ہے۔آخری بات یہ کہ ایمان حیاء کی صفت کوترقی دیتا ہےاور حیاء کی افزائش کرتا ہے۔

حدیث (۲۱): ''مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِفَاعِلِہٖ'' (صحیح مسلم۔حدیث۱۸۹۳، کتاب الامارۃ)

ترجمہ:۔ ''جس نے کسی شخص کی رہنمائی کسی اچھائی کی طرف کی اس کووہی اَجر ملے گا جو بھلائی کرنے والے کو ملے گا''۔

تشریح:۔ رسول کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ کسی کی بھلائی کی طرف رہنمائی بہت محبوب اور پسندیدہ عمل ہے اور ایسا کرنے پر بڑا اُجر ملے گا۔ بلکہ اتنا ہی اُجر ملے گا جتنا خود عامل کو مل رہا ہو۔کئی اور احادیث میں بھی اسی مفہوم کے مضامین مذکور ہیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا کہ ''خیر الناس من ینفع الناس '' کہ لوگوں میں سے بہتر وہ شخص ہے جو دوسرے لوگوں کو نفع اور بھلائی پہنچائے۔

دراصل اسلام اصلاح اور فلاح کا دین ہے۔ اسلام کے ہر عمل کی اساس اور بنیاد خیر پر ہوگی اور اس کے ہر حکم اور امر کا انجام اور نتیجہ فلاح اور بھلائی ہی ہوگا۔ خیر کی طرف رہنمائی کرنا' کسی کو بھلائی کی تعلیم دینا اور کسی اچھائی کی بنیاد رکھنا' پسندیدہ عمل ہونے کے ساتھ ساتھ انسانیت کے ساتھ ہمدردی' خیر خواہی اور تعاون بھی ہے اور یہی چیز اسلامی معاشرے کے قیام میں مدو معاون ثابت ہوسکتی ہے۔ صرف اپنے طور پر اچھا بننا اگرچہ احسن کام ہے لیکن یہ کمال کو اس وقت پہنچتا ہے جب دوسروں کو بھی ساتھ ملایا جائے اور دوسروں کو بھی اس روش کی تعلیم دی جائے اور انہیں بھی ایسا کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

جس نظام کی بنیاد اتنی ٹھوس اور مضبوط اصولوں پر قائم ہو تو اس نظام کے ماننے والوں کو غلبہ ملنا اور برتری ملنا منطقی بات ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم مسلمان غیروں کے بنائے ہوئے جھوٹے' بے بنیاد اور فرضی اصول وقواعد کو تو اپنا رہے ہیں تاکہ وہ ہم سے راضی ہوں۔ اس کے باوجود کہ اس طرح کبھی وہ راضی ہوں گے اور نہ ہم ترقی کر پائیں گے۔ لیکن اپنے سچے اور مبنی بر خیر و فلاح نظامِ اسلام کو پس پشت ڈال کر کامیابی و کامرانی کا سوچ رہے ہیں۔

حدیث (۲۲): ''مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤمِنٍ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ الدُّنیا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ مَنْ یَسَّرَ عَلَی مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَة ''(صحیح مسلم۔حدیث۲۶۹۹)

ترجمہ:۔ ''جس نے کسی مومن سے دنیاوی تکالیف میں سے کوئی تکلیف دور کی تو اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی تکلیف کو دور کرے گا اور جس نے کسی تنگ دست مومن کیلئے آسانی پیدا کی' اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے لئے آسانی پیدا فرمائے گا''۔

تشریح:۔ کسی کی بھلائی چاہنا' اس کو خیر کی طرف رہنمائی کرنا اور مشکلات میں گھرے ہوئے انسان کی دادرسی کرنا ایک ہی عمل کے دو رُخ ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ دنیا کی اس زندگی میں ایک انسان دوسرے انسان کے لئے ذریعۂ اُنس و تسکین ہے اور کوئی بھی شخص اس کارگاہِ حیات میں کسی بھی وقت کسی بھی مرحلہ میں مشکل اور سختی سے دوچار ہوسکتا ہے اور کسی سہارے کا محتاج ہوسکتا ہے اور مدد و تعاون کا متلاشی اور طلبگار ہوسکتا ہے۔ ایسے میں ایمان کے لازمی تقاضوں میں سے یہ ہے کہ اپنے مومن بھائی کی مشکل حل کر دی جائے اس کا سہارا بن کر اسے حوصلہ دیا جائے۔ اس کو خالص انسانی ہمدردی اور رضائے الٰہی کے حصول کے جذبے سے مدد بہم پہنچائی جائے اور اس کے لئے آسانی پیدا کی جائے۔

اس طرح دنیاوی زندگی میں اس عمل کے مثبت نتائج سامنے آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ باہمی اُنس و محبت پرورش پاتی ہے۔ بھائی چارے کی فضا کو تقویت ملتی ہے۔ اعتماد اور بھروسے میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ خیر خواہی کے جذبات پروان چڑھتے

ہیں اور اس کے نتیجے میں ایثار اور درگذر جیسی صفات نشو و نما پا کر زندگی میں چین، سکون، امن و آشتی اور خوشحالی رواج پاتی ہے اور اُخروی لحاظ سے اس عمل کے نتیجے میں ربّ کی رضا نصیب ہو جاتی ہے اور اللہ کے فضل و رحمت کا فیضان عام ہو جاتا ہے اور آخرت میں مجبور اور محتاج بندے کے مسائل و مشکلات میں اللہ پاک آسانیاں پیدا فرماتا ہے جس کی وہاں اشد ضرورت ہے۔

حدیث (۲۳): وَاللّٰہِ لایُوْمِنُ وَاللّٰہِ لایُؤْمِنُ واللّٰہِ لایُؤْمِنُ قِیلَ مَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الَّذِیْ لایأمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٖ. (بخاری۔حدیث ۶۰۱۶)

ترجمہ:۔ ''اللہ کی قسم وہ شخص ایمان نہیں لایا، اللہ کی قسم وہ شخص ایمان نہیں لایا، اللہ کی قسم وہ شخص ایمان نہیں لایا۔ دریافت کیا گیا کون یارسول اللہ ﷺ ایمان نہیں لایا۔ ارشاد فرمایا وہ شخص جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں''۔

تشریح:۔ دینِ اسلام انسانی حقوق کی پاسداری اور نگہداری کا علمبردار ہے۔ حقوق العباد کی ادائیگی پر جتنا زور اسلام نے دیا ہے اتنا کسی بھی نظام میں نہیں دیا گیا۔ آج کل کے نام نہاد ادارے جو انسانی حقوق کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر خود اس کی پامالی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

زیرِ نظر حدیث ہمسایہ کے حقوق کے بارے میں ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ہمسایہ کی ایذاء رسانی ایمان کے خلاف عمل ہے۔ جو بھی مومن اپنے ایمان کی تکمیل کا خواہشمند ہو اُسے چاہئے کہ ہمسائے کے حقوق کا خیال رکھے۔ ہمسائے کو اذیت نہ دے، راحت پہنچائے، سہولتیں فراہم کرے، رنج و غم میں برابر کا ساتھی بنے، احسان وحسنِ سلوک کا رویہ رکھے، ایک اور حدیث میں جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے کہ جبرئیل امین مجھے مسلسل ہمسایہ کے حقوق کے بارے میں تاکید فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ ہمسایہ کو میراث میں حصہ دار ٹھہرایا نہ جائے۔ ہمسایہ کا لفظ اپنے اندر وسعت رکھتا ہے۔ گھر اور محلے دار اور پڑوسی سب اس میں شامل ہیں۔ سفر میں شریک ساتھی، کاروبار اور ہم پیشہ آدمی بھی ہمسایہ ہی ہوتا ہے۔ ملکی باشندے کی حیثیت سے سارے اہلِ وطن ایک دوسرے کے ہمسایہ ٹھہرتے ہیں۔

ایمان کے رشتہ میں منسلک پورے عالمِ اسلام کے مسلمان اور پڑوسی ممالک کے رہنے والے مسلم ایک دوسرے کے ہمسایہ ہیں۔ جس کے حقوق کا درجہ بدرجہ خیال رکھنا اہلِ ایمان کے لئے ضروری اور ان کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔

حدیث (۲۴): "مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ وَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِا اللّٰہِ والیومِ الآخِرِ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ وَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ". (بخاری۔حدیث ۶۰۱۸)

ترجمہ:۔ ''جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اُسے چاہئے کہ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرے اور جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہئے کہ یا تو اچھی بات کرے ورنہ چپ رہے''

تشریح:۔ زیرِ مطالعہ حدیث کے مندرجات میں تین امور کا ذکر ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے ضمن میں ہوا ہے۔ گویا یہ جملہ امور ایمان با الآخرہ اور ایمان باللہ کے لازمی تقاضے ہیں اور ان کے اثرات اور علامتیں ہیں۔

پہلی بات مہمان کی قدر و عزت ہے۔ مہمان میزبان کے گھر میں بے اختیار ہوتا ہے اور میزبان کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ وہ میزبان کی طرف سے عزت افزائی، خدمت اور نرمی کے جذبات کا مستحق اور متمنی ہوتا ہے۔ اس لئے رحمۃ للعالمین نے نہایت تاکید کے ساتھ امت کو تعلیم دی ہے کہ مہمان کی قدر کرو۔ اگر روزِ آخر میں سرخروئی چاہتے ہو۔

دوسری بات، رشتہ داروں اور اعزہ و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی اور ہمدردی کا رویہ اپنانا ہے۔ صلہ رحمی کے متعلق کئی روایات میں زور دے کر کہا گیا ہے کہ قاطع الرحم جہنمی ہوگا۔ انسانی معاشرے میں قریبی رشتہ دار ہی ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو کر حوصلہ بڑھاتے اور سہارا بنتے ہیں۔ ضروریاتِ زندگی کی فراہمی میں بلا جھجھک ایک دوسرے سے اظہار بھی کر سکتے ہیں اور بجا طور پر ان سے ملنے کی توقع بھی رکھتے ہیں۔ اگر صاحبِ استطاعت قدرت رکھنے کے باوجود کوئی اپنے رشتہ دار کی امیدوں کا قتل کرے انہیں مایوس و ناامید رکھے، محرومی دے، تو یہ عمل ایمان کے منافی اور غضب الٰہی کو دعوت دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ نیکی کی بات کرنی چاہئے لوگوں سے نیکی اور بھلائی کی باتیں کی جائیں۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو خاموشی اختیار کرنا زیادہ احسن ہے۔ فضول گفتگو کرنے سے بہتر ہے کہ انسان خاموش رہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا ''جس نے خاموشی اختیار کی اُس نے فلاح پائی''۔

حدیث (۲۵): ''اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ''. (صحیح۔ بخاری۔ حدیث ۵۱۴۳)

ترجمہ:۔ ''بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے''۔

تشریح:۔ تعلقات کو بگاڑنے، دلوں کو توڑنے، اپنوں میں دوریاں لانے اور معاشرے میں نفرتیں پھیلانے کے عمل میں بدگمانی اور ظن کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ غلط خیالات اور بُری سوچ پر مبنی مفروضے اور منصوبے کب خیر لا سکتے ہیں۔ بلاثبوت باتوں کو پھیلانا، سنی سنائی افواہوں کو بنیاد بنا کر اِقدام کرنا، قوموں میں دوری اور عداوت کے بیج بوتی ہے اور ایک بار اس غلط مفروضے کی بنیاد ڈالی جائے تو پھر شیطان اور اس کے چیلے اس کو وسعت دینے کے لئے ہر دم تیار نظر آتے ہیں اور لوگوں کے باہمی جنگ و جدال اور نفرت و عداوت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اسی بے بنیاد اور جھوٹے خیالات سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے اور محض وہم و گمان سے صراحت کے ساتھ روکا گیا ہے اور بدگمانی کو سب سے بڑا جھوٹ قرار دے دیا گیا ہے اس حدیث سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ دینِ اسلام نے انسانیت کی رہنمائی ہر مرحلہ میں فرمائی ہے۔ چھوٹی سی کمی بھی نہیں چھوڑی ہے۔ اسی لئے جب حضرت سلمان فارسیؓ سے ایک غیر مسلم نے طنزاً یہ بات کہی تھی کہ یہ کیسا دین ہے جو استنجاء اور قضائے حاجت کے متعلق گفتگو کرتا ہے۔ تو جواب میں حضرت سلمان فارسیؓ نے بڑے فخر و اعزاز کے طور پر کہا۔ جی ہاں دینِ اسلام نے ہماری ہر طرح کی رہنمائی کا

انتظام فرمایا ہے۔ بڑے سے بڑے مسائل سے لیکر چھوٹی چھوٹی چیزوں تک کے بارے میں بھی ہمیں علم و رہنمائی سے نوازا ہے۔ اللہ کا ہم مسلمانوں پر بڑا کرم ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام نے ہماری کامل رہنمائی فرمائی ہے۔

لیکن افسوس کہ مسلمان غیروں کی طرف دیکھ رہا ہے۔ یہود وہنود کی نقالی سے دل بہلا رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی تقلید میں اندھا ہوتا جارہا ہے اور ربّ کی عظیم نعمت دین اسلام کے بنیادی امور سے نابلد و ناآشنا ہے۔ جس کا نتیجہ مسلمانوں کی ذلت' خواری' پستی اور تنگدستی ہے۔ اور یہی ہے عذابِ الٰہی اور آخرت میں بُرے انجام کی تیاری۔ اللہ ہمیں اور ہمارے حکمران طبقے کو ہدایت کی توفیق دے۔ آمین

مشق

1۔ دیئے گئے سوالات کے جوابات تحریر کریں۔

(i رشوت ستانی کے نقصانات اور معاشرے پر اسکے بُرے اثرات پر نوٹ لکھیں۔

(ii اسلام میں کن اہم معاشرتی حقوق پر زور دیا گیا ہے؟

(iii الحياء شعبة من الايمان کی تشریح کرتے ہوئے بتائیں کہ حیاء کے ذریعے انسانی اعمال کو متوازن کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

(iv حدیثِ نبوی ﷺ سے ثابت کریں کہ اسلام اصلاح اور فلاح کا دین ہے۔

(v ہمسایوں کی اقسام اور ان کے حقوق قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کریں۔

(vi بدگمانی کو سب سے بڑا جھوٹ کیوں کہا گیا ہے؟

(vii مشکل حالات میں لوگوں کا سہارا بننے سے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

(viii اخلاص اور للھیت پر مختصر نوٹ لکھیں۔

(ix صدقات کے ذریعے صدقہ لینے والے اور صدقہ دینے والے کے کن جذبات کی اصلاح مقصود ہوتی ہے؟

(x بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کے لئے زیادہ نفع بخش ہو۔ تفصیل بتائیں۔

2۔ خالی جگہ پُر کریں۔

(i تم میں بہترین وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور اسے..................۔

(ii بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کے لئے زیادہ.................. ہو۔

(iii اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے..................اور..................کو دیکھتا ہے۔

(iv بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی .... ۔

(v اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دِلوں اور ....کو دیکھتا ہے۔

3۔ مندرجہ ذیل بیانات کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں۔ان میں ایک جواب درست ہے درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں۔

(i انسانی فطرت کا بنیادی تقاضا ہے کہ اس کا ہر عمل ہو:

(الف) نفع بخش (ب) ضرر رساں

(ج) دونوں (د) ایک بھی نہیں

(ii اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''جس نے میرے نبی ﷺ کی اطاعت کی اس نے گویا:

(الف) اپنی ذات کی اطاعت کی'' (ب) اللہ کی اطاعت کی''

(ج) کسی کی اطاعت نہ کی'' (د) ہر ایک کی اطاعت کی''

(iii رشوت کا طریقہ اس وقت عام ہوتا ہے جب معاشرے سے ختم ہو جاتا ہے:

(الف) ہمدردی کا جذبہ (ب) عدل وانصاف

(ج) احترام انسانیت (د) اعتماد

(iv جس نے بیت اللہ کا حج اور اس کے مناسک ادا کئے اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے اس کے پہلے گناہ:

(الف) شمار کئے جائیں گے (ب) معاف کر دیئے جائیں گے

(ج) شمار نہیں کئے جائیں گے (د) معاف نہیں کئے جائیں گے

(v جس نے کسی شخص کی رہنمائی کسی اچھائی کی طرف کی اس کو وہی اَجر ملے گا جو:

(الف) برائی کرنے والے کو ملے گا (ب) کسی کا حق مارنے والے کو ملے گا

(ج) بھلائی کرنے والے کو ملے گا (د) تنگ نظری کرنے والے کو ملے گا

(vi بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی:

(الف) سب سے بڑی اچھائی ہے (ب) سب سے بڑی سچائی ہے

(ج) سب سے بڑا جھوٹ ہے (د) سب سے بڑی نیکی ہے

4۔ مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

(i حج کے متعلق حدیث کا حوالہ دیں۔

(ii بدگمانی کس طرح سب سے بڑا جھوٹ ہے؟

(iii رشتہ داروں اور مہمانوں کے ساتھ کس طرح صلہ رحمی اور ہمدردی کا جذبہ اپنانا چاہیئے؟

(iv حدیث شریف میں کس طرح پڑوسی کے ساتھ تعلقات استوار رکھنے کا کہا گیا ہے؟

(v حضور ﷺ نے خاموشی کو کیوں عبادت قرار دیا ہے؟